قدیم وجدید تفسیری ادب میں آرکیالوجی سے استشہادات مناہج اور نوعیت

An exploratory study of the Arcaeological exhortation from the ancient and modern Tafseeri Literature

ڈاکٹر ثناء اللہ حسین*

زینب معین

ABSTRACT:

For comprehension of Quran, Archaeology is necessary and important. In Quranic literature, there are much abolished nations. There Histories have been finished. We need intensely to research on archaeological sites for revision modern of their Histories and Civilizations. In Arab countries, the Orientalists researched on the Archaeological sites of these Quranic nations. The ancient and modern Mufassireen exhorted from Archaeology in their Tafseer under the events of the abolished Nations. In the modern era the archaeological research has been developed. Therefore, the modern mufassireen mentioned a lot of materials about the Archaeology by aspect reference. By which we can easily guess the importance of archaeology in Tafseeri Literature. In this Article have been discussed about Archaeological exhortation of the ancient and modern Tafseeri literature.

Key Words: Quran, Archaeology, literature, Abolished nations, Ancient, Modern.

تاریخ اور سابقہ قوموں کی تہذیب کا علم انسان بالخصوص مسلمان کے لیے نہایت اہمیت کا حامل ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: و ذكر هم بأيام الله(انہیں اللہ تعالیٰ کے ایام (تاریخ) کے ذریعے نصیحت کریں)۔"اثریات"(Archaeology)سے مراد یعنی قرآن مجید میں موجود اقوام ماضیہ کے قصص کا مطالعہ بطور عبرت وموعظت اور نصیحت آموزی کے ہے۔ مثلاً قومِ عاد، قومِ ثمود، اصحاب الاخدود، اصحاب الایکہ، اصحاب الرس، اصحاب الفیل وغیرہ وہ مغضوب افراد واقوام ہیں، جو دستِ اجل کے غضب وقہر کا نشانہ بنیں، اللہ نے انہیں، ان کی نافرمانی کے سبب، ان کو جڑوں سے اکھیڑ دیا۔ قرآن مجید میں ایسی اقوام کے احوال کو بیان کیا گیا ہے کہیں مفصل اور کہیں اشاروں وکنایوں میں۔ جہاں بھی عبرت وموعظت کی جتنی ضرورت پڑی، اسی قدر حصہ بیان کر دیا گیا جیسے: فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ[1]۔

ترجمہ: پھر کر ڈالی ہم نے وہ بستی اُوپر تلے، اور برسائے اُن پر پتھر کھنگر کے۔

اسی طرح قرآن مجید میں متعدد مقامات پر سابقہ قوموں اور ان کی تہذیب وتمدن اور سیاست کا تذکرہ ملتا ہے۔

قرآن کریم نے جس طرح ان اقوام کے آثار سے عبرت حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے اس طرح ان نافرمان اقوام پر ان کی سرکشی کے سبب اللہ کے عقاب کی منظر کشی بھی کی گئی ہے، مثلاً قومِ عاد اور قوم ثمود کے عذاب کی منظر کشی کرتے ہوئے قرآن کریم نے اس

*Associate Professor, Department of Qura'an & Sunnah, AIOU, Islamabad
Email: sana.ullah@aiou.edu.pk
Lecturer, Fatima Jinnah Women University, Rawalpindi.

عذاب کو یوں بیان کیا ہے: كَذَّبَتْ ثَمُودُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ۔ فَأَمَّا ثَمُودُ فَأُهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِ۔ وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ۔ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَى كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ۔ فَهَلْ تَرَى لَهُمْ مِنْ بَاقِيَةٍ۔ وَجَاءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهُ وَالْمُؤْتَفِكَاتُ بِالْخَاطِئَةِ[2]۔ جھٹلایا ثمود اور عاد نے اس کھڑکھے والی کو سو وہ جو ثمود تھے سو کھپائے (ہلاک کئے) گئے اوچھال (سخت دھماکے) سے۔ اور وہ جو عاد تھے سو کھپائے (ہلاک کئے) گئے ٹھنڈی سناٹے کی باؤ (ہوا) سے، ہاتھوں سے نکلی جاتی۔ تعین کی ان پر سات رات اور آٹھ دن، جڑ کاٹنے والے، پھر تو دیکھے لوگ اُن پر بچھڑ گئے، جیسے وہ ڈھنڈ (تنے) ہیں کھجور کے کھوکھرے (کھوکھلے)۔ پھر تو دیکھتا ہے کوئی ان کا بچ رہا؟ اور آیا فرعون، جو اس سے پہلے تھے، اور الٹی بستیاں، تقصیر (گناہ) کرتے۔

قرآن کریم میں مذکور اقوام کی تاریخ اور ان کے آثار قدیمہ کا مغرب نے بغور مطالعہ کیا ہے، چاہئے تو یہ کہ مسلمان اس فن کی تحقیق و تدقیق میں غور وخوض سے کام لے لیکن اس کے برعکس مغرب نے اس کام کا بیڑا اٹھایا ہے، اس میدان میں تحقیق کے لئے علم الآثار کا سہارا لیا جاتا ہے، ان مقامات کی آثارِ قدیمہ کی بنیاد پر تحقیق کی جاتی ہے، علامہ سید سلیمان ندوی پھر اس فن پر اہل مغرب کی تحقیق دقیقہ رسی اور جانکاہی کا تذکرہ یوں فرماتے ہیں: "مقام عبرت ہے کہ ہماری مذہبی کتاب کی تحقیق وکاوش میں بھی اغیار نہایت کوشش و جانفشانی سے مصروف ہیں۔ جرمن، فرنچ، اٹالین اور انگلش مستشرقین نے "تاریخ اسلام" پر محققانہ کتابیں لکھیں۔ یونانی ورومانی تصفیفات سے جو عرب قبل اسلام کے حالات سے پر ہیں۔ انتخاب و خلاصہ کیا۔ قرآن مجید نے جن اقوام وبلاد کا ذکر کیا ہے ان کے کھنڈروں کا مشاہدہ کیا، ان کے کتبات کو حل کیا اور ان سے عجیب وغریب نتائج مستنبط کیے"[3]۔

اس بات کی اہمیت کو مد نظر رکھ کر قدیم وجدید تفاسیر میں مفسرین نے اپنے تفاسیر میں آثارِ قدیمہ سے استشہاد کیا ہے، جس کی مثالیں ان تفاسیر میں ملتی ہیں، یہاں ان استشہادات کو جمع کیا گیا ہے، جس سے تفسیر اور قرآن فہمی میں علم الآثار کی اہمیت کا اندازہ لگتا ہے۔

تفسیر اور فہم قرآن میں آرکیالوجی کی اہمیت:

قرآن مجید میں مذکور اشاروں اور کنایوں اور کہیں صراحتوں کے ساتھ، جن مغضوب اور مقہور اقوام کا ذکر ہے، اثریات کا علم ان کی کھوج لگا کر قرآنی اجمال کی تشریح اور عملی توضیح کر دیتا ہے۔ اسی ضمن میں "منقولات" کی قدر و قیمت کی تلقین کیساتھ ساتھ اس فن (آرکیالوجی) سے بے اعتنائی کی کیفیت پر افسوس اور اس کی اہمیت کا احساس دلاتے ہوئے سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں: "اس موضوع کی اہمیت اور ضرورت سے شاید کسی مسلمان کو انکار ہو گا۔ قرآن مجید میں عرب کے بیسیوں قوموں، شہروں اور مقامات کے نام ہیں جن کی ہر قسم کی صحیح تاریخ سے نہ صرف عوام بلکہ علماء تک ناواقف ہیں اور نہایت عجیب بات ہے کہ تیرہ سو برسوں میں ایک کتاب بھی مخصوص اس فن پر نہیں لکھی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف خود مسلمانوں کو ان حالات سے ناواقفیت رہی اور دوسری طرف غیروں کو انہیں افسانہ کہنے کی جرات ہوئی"[4]۔

اب عہد حاضر میں علوم وفنون کی ترقیات کے سبب کئی نئی جہات سامنے آئی ہیں مثلاً: آرکیالوجی کے فن کے سبب قرآن کے بیان کردہ ارضی اشارات وکنایات کی بہتر تعبیر کی جاسکتی ہے۔

مقام عبرت ہے کہ ہماری مذہبی کتاب کی تحقیق وکاوش میں بھی اغیار نہایت کوشش و جانفشانی سے مصروف ہیں، اہل مغرب کے

تعصب وبغض کی بھی ساتھ ساتھ نشاندہی کرتے ہیں کہ ان کے ان تحقیقی نتائج کو من عن قبول کرنے کے بجائے بہت ہوشیار اور چوکنے ہو کر "خذماصفادع ماکدر" کے اصول پر نگاہ رکھنی از بس ضروری ہے وگرنہ اخذ نتائج کی "اثریاتی لغزش" کا صدور بھی ممکن ہے۔ پھر اس مستشرقین کی تحقیق کے نام پر تحریف اور قیامت خیزیوں کا ذکر کس تاسف کے ساتھ کرتے ہیں۔ "تاہم وہ مسلمان نہیں، یہودی یا عیسائی ہیں، انہوں نے نہایت بے دردی سے قرآن کے فوائد کو پامال کیا ہے۔ بعض متعصب مستشرقین نے ان معلومات کی غلط طور سے قرآن کی مخالفت میں استعمال کیا ہے۔ اٹھارویں صدی کے وسط میں ریونڈ فارسٹر (Forster) نے عرب کا تاریخی جغرافیہ Historical Geography of Arab لکھا جس میں اس نے اپنی جہالت کے عجیب وغریب نمونے پیش کیے جن کو پڑھ کر کبھی ہنسی اور کبھی رونا آتا ہے"[5]۔

ہمیں ان علوم اور خاص کر آرکیالوجی کو قرآن کا خادم اور تابع سمجھ کر آیات کی تفسیر کرنی چاہیے۔ تاہم کسی مقام پر بھی ان تفصیلات کے سبب قرآن کا مقصود اصلی عبرت وموعظت نگاہوں سے اوجھل نہ رہے اور مرعوبیت اور احساسِ کمتری کا عنصر بھی نہ آنے پائے۔ ان اثری اکتشافات کو قرآن مجید کے تابع کر کے پیش کیا جائے اور ایک محقق کیلئے ضروری دینی علوم اور عربیت کے علاوہ آثار قدیمہ سے بھی مناسب آگاہی ہونی چاہیے تاکہ وہ تفسیری ادب کے سلسلے کو آج کی "اثری دریافتوں" کے تناظر میں آگے بڑھا سکے اور آج کے باخبر انسان کے سامنے آثارِ قدیمہ کی صداقت قرآنی استشہاد کے طور پر دنیا کے سامنے رکھا جا سکے اور انسانی تاریخ کے تہذیبی سفر میں "سافروا فی الارض فانظروا واستخبروا لتصرفوا ماحل بالکفرۃ قبلکم من العقاب والیم العذاب وھذا السفر مندوب الیہ اذا کان علی سبیل الاعتبار بآثارِ من الامم "[6] یعنی زمین میں سفر کرو اور دیکھو کہ آپ سے پہلے کفار پر کس قسم کا عذاب آیا، اور یہ سفر مستحب ہے اگر سابقہ امتوں کے آثارِ قدیمہ سے عبرت حاصل کرنے کیلئے ہو۔

علوم القرآن میں آرکیالوجی بحیثیتِ علم:

آج کے دور میں، فہمِ قرآنی میں، بطور ایک معاون علم کے، آرکیالوجی کا شمول ضروری ہو گیا ہے۔ کیونکہ قرآنِ کریم کی بیسیوں آیات کی عصری توضیح، "اثری تحقیقات" یعنی Archaeological Researches کی بناء پر ممکن ہے۔ قدیم مفسرین بھی مقدور بھر آثارِ قدیمہ سے استشہاد کرتے رہے، بلکہ امام قرطبی تو اس کے مطالعہ کو مندوب قرار دیتے ہیں۔

اب عہد جدید میں جب کہ آرکیالوجی ایک منظم سائنس کا روپ دھار چکی ہے، اس کے اخذ واستفادہ اور بھی ضروری ہو گیا ہے۔ قرآن کریم کی حقانیت کیلئے دیگر ذرائع کے ساتھ ساتھ، آرکیالوجی کے عملی اظہار کو استعمال کیا جانا چاہیے، کہ آج کے دور کی یہ ایک فکری عبادت ہے اور آرکیالوجی کی صورت میں "علوم القرآن" کے اندر ایک نئے "خادمِ قرآن" علم کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ فہمِ قرآن میں اس "معاون علم" سے فائدہ اٹھانا عہدِ حاضر کی ایک اہم ضرورت ہے۔ مولانا شہاب الدین اس کتاب علم وحکمت کے کچھ گوشوں کی یوں نقاب کشائی کرتے ہیں: "قرآن حکیم ہی وہ عظیم صحیفہ ہدایت ہے جو ہماری تمام فکری وتہذیبی اور تمدنی واجتماعی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔ اور ہمارے ملی وبین الاقوامی مسائل ومشکلات کو حل کر کے ایک منارہ نور کی طرح ہماری زندگی کے اندھیرے گوشوں کو منور اور ہمارے قلب دماغ کو روشن کرتا ہے۔ وہ زندہ اور ابدی کتاب ہونے کی بنا پر ہمیشہ زندہ اور ابدی مسائلِ حیات سے بحث کرتا ہے۔ اس پر کہنگی کی پرچھائیاں بھی نہیں پڑ سکتیں اور

اس کی چمک دمک میں کبھی کوئی فرق نہیں آسکتا۔ اس کا پیغام سدا بہار ہے۔ اور اس کی سچائیاں لازوال اور ناقابلِ تنسیخ ہیں۔ وہ فکری و نظریاتی اعتبار سے ہر دور کے انسانوں کیلئے ایک چیلنج ہے اور ہر دور کے چیلنج کا مثبت اور معقول جواب دے سکتا ہے۔ وہ ایک ایسا ناقابلِ فراموش کارنامہ ہے جس کا انسانی کلام میں کوئی جواب اور کوئی مثل نہیں ہے۔ اس کی زبان اور اس کا اسلوب جس طرح معجز نما ہے اور وہ انسانی کلام سے میل نہیں کھاتا، اسی طرح وہ ابدی حقائق اور سچائیوں سے لبریز اور اپنے معجز نما معانی و مطالب کے لحاظ سے بھی منفرد و یکتا اور اپنی نوعیت کا تمام صحف سماوی اور پورے انسانی لٹریچر میں واحد کلام ہے"[7]۔

قرآن مجید ایک ایسی جامع کتاب ہے جو ہر عہد کے علمی سوالات کا جواب دینے کی صلاحیت رکھتی ہے یہ ہر دور کے اہل علم کو مطمئن کر سکتی ہے۔ اس کے علمی عجائب، غوامص و اسرار بے انتہا ہیں۔ ذوق طلب کے مطابق یہاں تسکینِ علم وروح کا سامان موجود ہوتا ہے، یہ کتاب فکر و نظر کے ہر چیلنج کو نہ صرف قبول کرتی ہے بلکہ ٹھوس بنیادوں پر اس کا پر حکمت جواب بھی فراہم کرتی ہے۔ اثریات کا میدان ہو یا کسی اور علم و فن کی جولان گاہ، یہ کتاب کبھی کسی متلاشی حق کو مایوس نہیں کرتی، حتیٰ کہ اپنے مخالفین اور معاندین کے دلوں میں بھی اپنی جگہ بنا لیتی ہے۔ وہ اگر اس کو پڑھ کر اس کے خلاف بولتے اور لکھتے ہیں تو وہ محض ان کی زبان اور قلم کا فعل ہے، ان کا دل اپنی ان باتوں کی قطعاً تصدیق نہیں کرتا۔

مستشرقین کی "اثریاتی تحقیق" کے نام پر اس "علمی حملے" کا جواب بھی اس کتابِ حق میں کہیں اشاروں کنایوں میں اور کہیں کھول کھول کر دیا ہے۔ اور جتلا دیا ہے کہ کتاب صدق کبھی بھی شک وریب کے غبار سے آلودہ نہیں ہوا کرتی۔ یہ احقاقِ حق کا وہ سراج منیر ہے کہ جس کی کرنوں سے ہر طالب ہدایت راہِ حق پر گامزن ہو سکتا ہے۔ اس کتابِ حق پر کیے گئے مطاعن کی حیثیت سوائے کھوکھلے الزامات کے کچھ نہیں۔ اس کتاب الٰہی کا ہر شک اور ریب سے پاک ہونا، دنیائے مذاہب کے مسلمات میں سے ہے۔ اس کا علم صداقت ہمیشہ سربلند ہونے کے لیے آیات ہے اور ہر علم اس کے سامنے سرافگندہ و سرنگوں ہو جاتا ہے کہ سرفرازی لوحِ ازل میں اسی آخری نوشتہ خداوندی کے لیے لکھ دی گئی ہے۔ اب اہل علم کی ذمہ داری ہے کہ ہر علمی حملے بشمول "اثریاتی حملوں" کے جواب میں قرآنی سچائیوں سے دنیا کو دلائل، قرائن اور حقائق کے ساتھ آگاہ کرتے رہیں۔ کیونکہ احقاقِ حق اور ابطال باطل کا معیار یہی کتابِ صداقت ہے۔

اقوامِ قرآن کے "آثار مغضوبہ" کے مشاہدات میں نبی اکرم ﷺ کا طریقہ اور سنت

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اپنی کتاب "الفوز الکبیر" میں علوم القرآن کو پانچ علوم میں منحصر کر دیا ہے۔ ان میں سے ایک علم "تذکیر بایام اللہ" ہے۔ ان میں سے مغضوب اقوام کے آثار باقیہ کو قرآن مجید نے بطور نشان عبرت کے پیش کیا ہے۔ ان آثار باقیہ کو دیکھ کر حضور ﷺ کا کیا طرز عمل رہا، عہد نبوی ﷺ سے ہمیں اس پر کچھ رہنمائی ملتی رہی ہے۔ خود نبی اکرم ﷺ کی رائے ارشاد قرآنی ﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾[8] ایک ذمہ داری تھی۔ اس لیے ان احوال و آثار کو دیکھ کر آپ ان کی وضاحت بھی فرماتے تھے اور ان آثار مغضوبہ کو دیکھ کر اللہ کی خشیت اور انابیت مزید بڑھ جاتی تھی۔ نبی ﷺ کا جب ان آثار پر گزر ہوتا تو آپ ﷺ اپنے اصحاب کو ان سے عبرت پذیری کی طرف خصوصاً متوجہ فرماتے اور اللہ کے خوف اور اس سے توبہ و آہ وزاری کی تلقین بھی فرماتے۔

حضور ﷺ کا جب غزوہ تبوک کی طرف جاتے ہوئے گزر ہوا تو یک "حجر" نامی مقام ایسا آیا جہاں ثمود بستی کے آثار تھے جب نبی

اکرمﷺ صحابہؓ کے ساتھ یہاں فروکش ہوئے تو ساتھیوں نے ان چشموں سے پانی پی لیا جنہیں اہل ثمود استعمال کرتے تھے اور اسی پانی سے آٹا گوندھا اور یہی پانی ہانڈیوں میں ڈالا۔ نبیﷺ کو جب اس کا پتہ چلا تو آپ نے حکم دیا کہ ہانڈیاں اوندھی کر دی جائیں اور گوندھا آٹا اونٹوں کو کھلا دیں، پھر آپ یہاں سے کوچ کر گئے اور ایک دوسرے چشمے پر اترے جو ثمود کا چشمہ نہیں تھا بلکہ ناقہ ثمود کے پانی پینے کا چشمہ تھا آپﷺ نے اس کے استعمالات سے بھی منع فرمادیا اور کہا کہ:''لاتدخلوا مساکن الذین ظلمو انفسھم الا ان تکونوا باکین ان یصیبکم ما اصابھم''[9]۔

ان مقامات کو محض سیر و تفریح کا ذریعہ نہ سمجھیں بلکہ اپنی زندگی کو اس تعذیب کے تناظر میں اللہ کی رضاجوئی کا نمونہ بنائیں۔ عبرت پذیری کے اس پہلو کی مفتی محمد شفیعؒ تشریح فرماتے ہیں:''یہ بستیاں عذاب الٰہی کے ذریعہ ویران ہونے بعد پھر دوبارہ آباد نہیں ہوئیں بجز چند بستیوں کے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے ان بستیوں اور ان کے مکانات کو آنے والی نسلوں کیلئے عبرت کا سامان بنایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم ﷺ جب ان مقامات سے گزرے ہیں تو آپ ﷺ پر ہیبت حق کا ایک خاص حال طاری ہوتا تھا جس سر مبارک جھک جاتا تھا اور آپﷺ اپنی سواری کو ان مقامات میں تیز کر کے جلد عبور کرنے کی سعی فرماتے۔ رسول کریمﷺ کے اس عمل نے یہ سنت قائم کر دی کہ جن مقامات پر اللہ تعالیٰ عذاب آیا ہے ان کو تماشا گاہ بنانا بڑی قساوت ہے بلکہ ان سے عبرت حاصل کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ وہاں پہنچ کر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا استحضار اور اس کے عذاب کا خوف طاری ہو''[10]۔

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے آثار کو اپنے صحابہ کیلئے عبرت پذیری اور رجوع الی کا ذریعہ بنایا۔

آرکیالوجی سے استدلال میں قدیم مفسرین کا منہج

زمانہ قدیم میں آرکیالوجی ایک منظم اور سائنسی علم نہ تھا، اس لیے ان آثار باقیہ سے ایک حد تک استفادہ ہی ممکن تھا، جبکہ آج کے دور میں آرکیالوجی کا علم، اپنے تدریجی اور ارتقائی مراحل طے کر کے، اپنی معراج پر پہنچا ہوا ہے، ''اثریات'' نے کئی مدفون تہذیبوں کو بھی بہت احتیاط کے ساتھ دریافت کر لیا ہے۔ اور ان تہذیبوں کے آثار سے کئی اصولوں کا استنباط کیا ہے، جس کے سبب، ماضی کی ان مدفون تہذیبوں کی معاشرت کافی حد تک سامنے آگئی ہے۔ ہم ذیل میں چند مفسرین کے اس ضمن میں اختصار کے ساتھ مناہج ذکر کر رہے ہیں۔

1۔ جامع البیان۔ از امام الطبری کا آرکیالوجی سے استشہاد

امام طبریؒ نے اپنی تفسیر میں اکثر مقامات پر آرکیالوجی کی اہمیت کا تذکرہ کیا ہے، اقوام سابقہ کے آثار سے عبرت حاصل کرنے کو کئی آیات کے ضمن میں بیان کیا ہے، امام طبریؒ قرآنِ کریم کی آیت ﴿اَفَلَمۡ یَہۡدِ لَہُمۡ کَمۡ اَہۡلَکۡنَا قَبۡلَہُمۡ مِّنَ الۡقُرُوۡنِ یَمۡشُوۡنَ فِیۡ مَسٰکِنِہِمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّہٰی﴾[11] کی تشریح میں لکھتے ہیں: ومعنى يهد: يبين. يقول: أفلم يبين لهم كثرة ماأهلكنا قبلهم من الأمم التي سلكت قبلهاالتي يمشون في مساكنهم ودورهم، ويرون آثارعقوباتنا التي أحللناهابهم سوء مغبة ما هم عليه مقيمون من الكفر بآياتنا، ويتعظوا بهم، ويعتبروا، وينيبوا إلى الإذعان[12]۔ یعنی اس ایت میں یھد کا معنی بیان کرنا ہے، کہتے ہیں کہ کیا ان کو یہ بیان نہیں ہوئی ہے کہ ان سے پہلے کئی اقوام ہلاک ہوئی ہیں جو گھروں میں گھومتے پھرتے تھے، اور ہمارے عذاب کے آثار دیکھتے تھے جو ان پر ہماری آیات پر کفر کرنے کے کی وجہ سے واقع ہوئی، چاہیے کہ ان واقعات سے نصیحت اور عبرت حاصل کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم الاثار کے

پہلو متقدمین مفسرین کے نزدیک بھی ان کی خاص اہمیت رہی ہے۔

2۔ تفسیر ابن کثیر اور آرکیالوجی

امام ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں "اثریات" کی جانب زیادہ توجہ دی ہے۔ تباہ شدہ اقوام کی آثار سے عبرت حاصل کرنے کی نصیحت دیتے ہیں، ایک آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "جو لوگ نبی اکرم ﷺ کو نہیں مان رہے اور آپ ﷺ کی شریعت کا انکار کر رہے ہیں کیا وہ اس بات سے بھی عبرت حاصل نہیں کرتے کہ ان سے پہلے جنہوں نے اس طرح کی حرکتیں کی تھیں ہم نے انہیں کس طرح تباہ برباد کر کے رکھ دیا کہ آج ان کی ایک آنکھ جھپکتی ہوئی یا ایک سانس چلتا ہوا اور ایک زبان بولتی ہوئی باقی نہیں بچی، ان کے بلند وبالا، پختہ وخوبصورت، کشادہ اور زینت دار محل آج ویران کھنڈر بنے پڑے ہیں، یہیں پر ان کی آمدورفت رہتی تھی"۔

حافظ ابن کثیر نے اہل مکہ کا علم الاثار سے عبرت نہ لینے پر نہ صرف نقد کی ہے بلکہ انہیں کم عقل قرار دیا ہے، آپ نے یہ بیان کیا ہے کہ اگر یہ اہل مکہ عقلمند ہوتے تو یہ سامان عبرت ان کیلئے بہت کچھ تھا۔ کیا یہ زمین میں چل پھر کر قدرت کی نشانیوں پر دل سے غور وفکر نہیں کرتے؟ کیا کانوں سے ان کے دردناک افسانے سن کر عبرت حاصل نہیں کرتے؟ کیا ان کی اجڑی ہوئی بستیاں دیکھ کر بھی آنکھیں نہیں کھولتے؟ حقیقت ہے کہ یہ آنکھوں کے ہی نہیں بلکہ دل کے بھی اندھے ہیں"۔[13] آپ قرآن کی اِس خاص نوع کی جانب ایک اور آیت وَلَقَدۡ اَهۡلَكۡنَا مَا حَوۡلَكُمۡ مِّنَ الۡقُرٰى وَصَرَّفۡنَا الۡاٰيٰتِ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ[14] کی تفسیر میں یوں توجہ دلاتے ہیں: "اے اہل مکہ! تم ذرا اپنے آس پاس ہی ایک نظر ڈال لو اور دیکھو کہ کس قدر قومیں اپنی سرکشی کی بنا پر نیست ونابود کر دی گئیں اور کس طرح انہون نے اپنے اعمال قبیحہ کے بدلے دنیا میں پائے۔ دیکھو، احقاف کی حالت جو یمن کے باسی تھے۔ حضرت موت کے علاقہ میں بسنے والے 'عادیوں' کے انجام پر نظر ڈالو۔ تمہارے اور شاہوں کے درمیان اہل ثمود کا جو حشر ہوا اسے بھی نظر عبرت سے دیکھو۔ اہل یمن اور اہل مدین کی "قوم سبا" کے انجام پر غور کرو تو تم پر حقیقت کھلتی چلی جائے گی کیونکہ تم اکثر لڑائیوں اور تجارت وغیرہ کیلئے انہی راستوں سے آتے جاتے ہو۔ اسی طرح بحیرہ قوم لوط سے عبرت حاص کرو، وہ بھی تمہارے راستہ ہی میں پڑتا ہے۔ ان آثار باقیہ پر توجہ دلاتے ہوئے اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنی نشانیوں اور آیتوں کو خوب واضح کر دیا تاکہ لوگ برائیوں سے بھلائیوں کی طرف لوٹ آئیں"[15]۔

3۔ تفسیر احکام القرآن میں آرکیالوجی سے استشہاد:

امام قرطبی، بھی آثار پر توجہ دیتے ہیں۔ آپ قریش کے تجارتی قافلوں کے راستے میں آنے والے آثار سے عبرت پذیری کی جانب یوں توجہ دلاتے ہیں: اذا سافروا وخرجوا فی التجارۃ طلب المعیشۃ فیرون بلاد الامم الماضیۃ والقرون الخالیۃ وخاویۃ۔[16]

جب وہ سفر کرتے ہیں اور معاشیات کی طلب کیلئے تجارت میں نکلتے ہیں تو راستے میں وہ گزرے ہوئی اور تباہ شدہ اقوام کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

3۔ تفسیر مدارک میں اقوام قرآن کے آثار کے مشاہدے کا تذکرہ:

امامِ نسفیؒ بھی بہت اختصار کے ساتھ، مغضوب قوموں کے آثارِ باقیہ سے عبرت وموعظت کی تلقین کرتے ہیں اور ضمناً اثریات کی اہمیت کا احساس بھی دلاتے ہیں: "سورۃ طٰہٰ، آیت 128 کے حوالے سے "تفسیر مدارک" میں ہے: "فی مَسٰکِنِھِم"[17] یعنی قریش مکہ، عاد، ثمود اور

قوم لوط کے مقامات ومساکن میں آتے جاتے رہتے تھے اور ان کی بربادی کے آثار کو آنکھوں سے ملاحظہ کرتے ہیں۔ اگر وہ خود سوچیں تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ ان امم سابقہ کو کس وجہ سے تہس نہس کر دیا گیا پس اہل مکہ کو ان سے عبرت حاصل کر کے ان جیسی حرکات سے بچنا چاہیے[18]۔

انہی ''آثار'' کے حوالے سے ایک اور آیت[19] کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اس میں اہل مکہ کے لیے تخویف ہے کہ اس قوم کے برے انجام سے بچو جن کی حالت اللہ تعالیٰ کے انعامات کے حوالے سے انہی جیسی تھی لیکن ان سابقہ امتوں نے نعمتوں کی شکر ادا کہ کیا بلکہ الٹا نعمتوں کا مقابلہ تکبر سے کیا جس کے نتیجے میں ان کو ہلاک کر دیا گیا ان کے مکانات کے بقیہ آثار جن کو سفروں میں اہل مکہ آتے جاتے دیکھتے ہیں ان سے یہ عبرت حاصل کریں[20]۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب آرکیالوجی ایک مستقل علم کے طور پر مرتب نہ ہوئے تھے اور اہل عرب کی مرحلہ اول ہی میں آثار عرب کی جانب متوجہ کرنا ہی مقصود تھا۔ تو اس سے یہ مفہوم لینے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ اب ہم ان آثار کی حفاظت بھی کریں تاکہ آئندہ آنے والی نسلیں ان آثار کے سبب ''منزل ہدایت'' کو پا سکیں۔

عہد حاضر کے مفسرین کا آرکیالوجی سے استشہاد:

اصحاب کہف کے حوالے سے آثار قدیمہ پر بحث کرتے ہوئے مولانا آزاد لکھتے ہیں: ''1918ء کی عالمگیر جنگ کے بعد آثار قدیمہ کی تحقیقات کے جو نئے نئے گوشے کھلے ہیں ان میں ایک پیڑا بھی ہے اور ان کے انکشافات میں بحث نظر کا ایک نیا میدان مہیا کر دیا ہے۔''[21]

1۔ تاریخ ارض القرآن

مولانا سید سلیمان ندویؒ نے اس موضوع پر مستقل کتاب لکھی ہے، اس کتاب میں انھوں نے مستشرقین پر نقد کیا ہے، یہاں تک کہ دلائل کی بنیاد پر مستشرقین کے قائدین کو تاریخ سے بے خبر قرار دیا ہے، ان حضرات کو ان کے تعصب اور تاریخی حقائق سے بے خبری کا احساس دلاتے ہوئے لکھتے ہیں: ''نولڈیکے (Noldeke) نے عمالقہ وعاد کی تحقیق میں ایک رسالہ لکھا ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ یہ غیر تاریخی قومیں ہیں۔ ولکن (A.Welken) اور روبرٹس سمتھ (Roberts Smith) عرب کے ادعائے نسب کا انکار کرتے ہیں''[22]۔ موصوف نے بہت تاسف کے ساتھ اسلاف کی مثالیں دیتے ہوئے آج کے اہل علم کو اس موضوع کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ کہ عقائد کے میدان میں تحریف وتشکیک میں اگر مستشرقین ناکام ہو گئے ہیں تو اب انہوں نے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے ''اثریات'' کے میدان کا انتخاب کر لیا ہے۔ ایسے میں مسلمان اہل علم کی یہ اہم ذمہ دار بن جاتی ہے کہ وہ اثریاتی تحقیق کی وادی کی آبلہ پائی بھی کریں۔ اور اس میدان میں بھی مستشرقین کی ''اثریاتی سازشوں'' کو ناکام بنائیں۔ بالفاظِ دیگر انہیں جھنجھوڑتے ہوئے کس دردمندی سے لکھتے ہیں:

''عہد قدیم میں مخالفین کے اعتراضات کا نشانہ اعتقادات تھے لیکن اس عصر جدید میں جب ہمارے مخالفین عقائد اسلام کی مضبوطی کا امتحان کر چکے ہیں، انہیں نے یہاں سے ہٹ کر تاریخ وتمدن کے میدان میں مورچے قائم کیے ہیں۔ ضرورت ہے کہ جس طرح ایرانی ویہودی مؤرخین کے مقابلہ میں ابن حنیفہ دینوری المتوفی ۲۸۱ھ ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ اور ابن جریر طبری المتوفی 310ھ نے اسلام اور قرآن کی تاریخ کی تحقیق وتطبیق میں کوشش کی، اس زمانہ میں جدید یورپین تاریخ کی اسلام وقرآن سے تطبیق دی جائے اور یورپین تاریخ تحقیقات واکتشافات کی غلطی کا پردہ چاک کیا جائے اور خود انہی کے کارخانوں کے بنے ہوئے ہتھیاروں سے ان کے حملوں کو جواب دیا جائے''[23]۔

مولاناسید سلیمان ندویؒ نے اہل علم کیلئے اس علم کا جاننا ضروری قرار دیا ہے، کیونکہ ان کا خیال یہ ہے کہ دشمن جس اسلحہ کو استعمال کرتا ہے اسی میں اس کو جواب دینا چاہئے، آپ اس موضوع کے ایک روشن پہلو اور اہل علم کی ایک ذمہ داری کی طرف توجہ مبذول کرواتے ہیں:"ان آثار قدیمہ کے اکتشاف نے ادیان عرب قبل اسلام کے معلومات میں نہایت سخت انقلاب پیدا کر دیا ہے جن سے اسلام کے مناقب وفضائل کا ایک نیا باب پیدا ہو گیا ہے۔ بہر حال نہایت ضروری تھا کہ ہمارے دشمن جن جدید معلومات کو ہماری مخالفت میں صرف کر رہے ہیں ان سے اپنی موافقت کے پہلو پیدا کیے جائیں"[24]۔

2۔ قصص القرآن میں آرکیالوجی سے استدلالات

مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی نے کئی مقامات پر آرکیالوجی سے استفادہ کیا ہے، اور آرکیالوجی کے دلائل کو بطورِ استشہاد پیش کیا ہے، سورۃ کہف میں "رقیم" کی بحث میں لکھتے ہیں:"تاریخی اور اثری تحقیقات کے پیش نظر آخری قول ہی صحیح اور قرآن عزیز کے بیان کے مطابق ہے"[25] اس بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے فرماتے ہیں:"اس اجمال کی تفصیل کیلئے تاریخ اور علم الاثار کے چند اوراق کا مطالعہ ضروری ہے"[26] اثریات کی دریافتوں سے فہم قرآنی پر بھی اثر پڑا ہے۔ عہد حاضر کے مفسرین، آرکیالوجی کی ان دریافتوں سے تفسیر قرآن میں جابجا استشہاد و استدلال کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مولانا آزاد، فرعونِ موسیٰ کی لاش کے حوالے سے اثریات کی تحقیقات سے بھرپور استفادہ کرتے ہیں:فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً[27]۔ مصری عجائب خانہ میں یہ نعش آج بھی محفوظ ہے اور قرآن عزیز کے اس کلام بلاغت نظام کی تصدیق کر رہی ہے۔ اس نعش کی ناک کے سامنے کا حصہ ندارد ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی حیوان کا کھایا ہوا ہے۔ غالبا دریائی؛ مچھلی نے خراب کیا ہے اور پھر اس کی نعش خدائی فیصلہ کے مطابق کنارہ پر پھینک دی گئی"۔[28]

3۔ ترجمان القرآن میں آرکیالوجی سے استفادہ

مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی ترجمان القرآن میں آرکیالوجی سے جابجا استشہاد کیا ہے، مذکورہ بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد اس تصور کا اظہار کرتے ہیں کہ "آج جبکہ مصری حضریات واثریات میں صراحت سے ساتھ اس زمانے کے فرعون اور بنی اسرائیل کی عداوت کا حال روشنی میں آچکا ہے"[29] پھر مولانا آزاد، ڈوب کر مرے ہوئے فرعون کی شخصیت اور پھر اس کی لاش کی تعیین پر بحث کرتے ہوئے جدید "اثری تحقیقات" سے اس طرح استفادہ کرتے ہیں:"ہم اگرچہ فراعنہ مصر کی حکومت اور شاہی خاندانوں کے متعلق اچھی طرح آگاہی پاچکے ہیں اور مصری آثار نے اس میں ہم کو کافی مدد دی ہے مگر ابھی تک ان اثریات میں وہ تفصیلی تصریحات دستیاب نہیں ہوئیں جو فرعون اور بنی اسرائیل کے ساتھ عداوت کا معاملہ کیا اور ان کو سخت مصائب میں مبتلا رکھا۔ اس نے بنی اسرائیل سے شہروں کی تعمیر کی خدمت بھی لی اور ان کو مزدور بنالیا تو اثری حفریات (پرانے آثار کی کھدائی) میں ان شہروں کا پتہ تو لگ چکا ہے، ایک کتبہ سے معلوم ہوا ہے کہ اس کا نام "برتوم" یا "فثیوم" ہے۔ اس کا ترجمہ ہے "خدائے توم کا گھر" اور دوسرے کا نام "بررعمسیس" ہے جس کا ترجمہ "قصر رعمسیس" ہوتا ہے"۔[30]

ان ثری تحقیقات کا محتاط جائزہ لے کر ان کو "قرآن کا مخدوم" بنا کر حقائق قرآنیہ کی توضیح کرنا مفسر کی ذمہ داری ہے۔ یہاں بھی فراعنہ مصر کے احوال وآثار کی تفصیل کے لیے کتبات، جغرافیہ، حجری آثار قدیم عمارات وغیرہ سے استشہاد کی بدولت، قرآنی اجمال کس خوبی

سے واضح ہو کر ہمارے سامنے آگیا۔ ان مقامات قرآنیہ کی تفہیم ان آثار کے بغیر بھی مجملا ہو سکتی تھی لیکن ان آثار سے مستفید ہو کر تاریخ کا متعلقہ گوشہ واضح ہو کر ہمارے سامنے آجاتا ہے اور یوں تاریخ کی تمام کڑیاں باہم مربوط ہو کر استنباطِ نتائج میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔

4۔ تفسیر تفہیم القرآن میں آرکیالوجی سے استشہاد

فہم قرآنی میں، اثریات کے علم سے اخذ واستفادہ کس قدر اہم ہے چنانچہ سید ابولاعلیٰ مودودی نے اپنی تفسیر لکھنے سے قبل، ان آثار ومقامات کا سفر کرنا ضروری سمجھا۔ اس سفر میں انہوں نے "اثریات" پر خاص توجہ دی، آپ کہتے ہیں:"اس سفر سے میرا مقصد، انبیاء علیہم السلام کے آثار اور ان تاریخی مقامات کو دیکھنا اور سمجھنا ہے جن کا ذکر قرآن پاک یا سیرت کی کتابوں میں ہوا ہے۔۔۔ قرآن کے بہت سے مقامات کو آدمی اس وقت تک اچھی طرح نہیں سمجھ سکتا جب تک ان علاقوں اور مقامات کو دیکھ نہ لے جن کا ذکر قرآن پاک میں ہوا ہے۔ اس وجہ سے میں نے یہ سفر کیا ہے اور اس سلسلہ میں مکہ، طائف، بدر، مدینہ، مدائن صالحہ، خیبر، تبوک اور مغایر شعیب کو دیکھتا آرہا ہوں۔ ان یہاں سے بیت المقدس اور الخلیل جاؤں گا۔ وہاں سے واپس آکر میرا ارادہ دمشق اور قاہرہ جانے کا ہے تاکہ وہاں سے جزیرہ نما سینا(جہاں کوہ طور و دیگر آثار ہیں) جاسکوں"[31]۔ گویا عہد حاضر کے مفسرین کے لیے متعلقہ آیات کو توضیح میں آرکیالوجی سے استفادہ ضروری ہو گیا ہے۔ اسی کی بدولت وہ موعظت اور عبرت پذیری کے پہلو کو منظم انداز سے اخذِ نتائج کرتے ہوئے، انسانیت کے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، حضرت داؤدؑ آپ کو لوہے کے غیر معمولی استعمال کی جو خاص خوبی، بطور معجزہ ودعیت ہوئی تھی، اس کی تفصیل کے لیے، اس وقت کے عہد اور حالات کی کھوج لگاتے ہوئے آرکیالوجی سے خصوصی استفادہ کرتے ہیں۔ فلسطین اور اس کے نواحی علاقے میں عہد داؤدی کی لوہے کی بھٹیوں کی تلاش کے لیے آرکیالوجی کی بنیاد پر کس طرح آیات کی تشریح کرتے دکھائی دیتے ہیں:"اس وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۭ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ[32] سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو لوہے کے استعمال پر قدرت عطا کی تھی، اور خاص طور جنگی اغراض کے لیے زرہ سازی کا طریقہ سکھایا تھا۔ موجودہ زمانے کی تاریخ واثری تحقیقات سے، ان آیات کے معنی پر جو روشنی پڑتی ہے وہ یہ ہے کہ دنیا میں لوہے کے استعمال کا دور(Iron Age) 1200 اور 1000 ق م کے درمیان شروع ہوا ہے اور یہی حضرت داؤد کا زمانہ ہے۔ فلسطین کے جنوب میں ادُوم کا علاقہ، خام لوہے(Iron Ore) کی دولت سے مالا مال ہے، اور حال میں آثار قدیمہ کی جو کھدائیاں اس علاقے میں ہوئی ہیں۔ ان میں بکثرت ایسی جگہوں کے آثار ملے ہیں جہاں لوہے پگھلانے کی بھٹیاں لگی ہوئی تھیں۔ عقبہ اور ایلہ سے متصل، حضرت سلیمان کے زمانے کی بندگاہ، عصیون جابر کے آثار قدیمہ میں جو بھٹی ملی ہے، اس کے معائنے سے اندازہ کیا گیا ہے کہ اس میں بعض وہ اصول استعمال کیے جاتے تھے جو آج جدید ترین زمانے کی(Blast Furnace) میں استعمال ہوتے ہیں"۔[33]

مولانا مودودی حضرت سلیمانؑ کے بحری تجارت اور بحری راستوں کو آرکیالوجی سے ثابت کرتے ہیں۔"حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے دور سلطنت میں بہت بڑے پیمانے پر بحری تجارت کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ ایک طرف عصیون جابر سے ان کے تجارتی جہاز بحر احمر میں یمن اور دوسرے جنوبی ومشرقی ممالک کی طرف جاتے تھے اور دوسری طرف بحر روم کے بندرگاہوں سے ان کا بیڑہ(جسے بائبل میں "ترسیسی بیڑہ" کہا گیا ہے) مغربی ممالک کی طرف جایا کرتا تھا۔ عصیون جابر میں ان کے زمانے کی جو عظیم الشان بھٹی ملی ہے اس کے مقابلے کی کوئی بھٹی

مغربی ایشیا اور مشرق وسطی میں ابھی تک نہیں ملی۔ آثار قدیمہ کے ماہرین کا اندازہ ہے کہ یہاں ادوم کے علاقہ عربہ کی کانوں سے خام لوہا اور تانبا لایا جاتا تھا اور اس بھٹی میں پگھلا کر اسے دوسرے کاموں کے علاوہ جہاز سازی میں بھی استعمال کیا جاتا تھا"۔[34]

5۔ضیاء القرآن میں پیر کرم شاہ الازھری کا آرکیالوجی سے استدلال

پیر کرم شاہ الازہری چونکہ استشراقیات سے زیادہ شغف رکھتے تھے، اس لئے انھوں نے ضیاء النبی اور ضیاء القرآن میں ان مباحث کو شامل کیا ہے، ضیاء القرآن میں آپ نے مختلف مقامات پر آرکیالوجی سے استفادہ کیا ہے، اور بطور دلیل پیش کیا ہے، سورۃ طٰہٰ[35] کی تفسیر میں آرکیالوجی سے یوں استدلال فرماتے ہیں:"ذکر آدم کے بعد اب روئے سخن کفار مکہ کی طرف ہے۔ وہ تجارت پیشہ لوگ تھے اور آئے دن انہیں سفر درپیش رہا کرتے۔ کبھی شام کی طرف جارہے ہیں اور کبھی یمن کے سفر کی تیاری ہو رہی ہے۔ اثنائے سفر ان کا گزر کئی اجڑی ہوئی بستیوں اور ویران کنڈروں کے پاس سے ہوا کرتا تھا۔ ان سے پوچھا جارہا ہے کہ ان اجاڑ بستیوں اور ویران کھنڈروں کے پاس سے گزرتے ہوئے تم نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ یہاں بھی کبھی لوگ بستے تھے، یہ بستیاں بھی زندگی کی رنگینیوں سے آباد تھیں۔ آج یہاں کیوں خاک اڑ رہی ہے، یہاں بسنے والے لوگوں پر یہ کیا افتاد پڑی ہے کہ اپنے خوبصورت مکانوں کو چھوڑ کر چلے گئے اور کہاں چلے گئے۔ اگر تم کبھی زحمت فکر برداشت کی ہوتی تو تمہیں پتہ چل جاتا کہ انہوں نے خداوند تعالیٰ کی نافرمانی کی اور انہیں برباد کر دیا گیا۔ سوچو اگر تم بھی باز نہ آئے تو کہیں تمہارا انجام بھی انہی کی طرح ہولناک نہ ہو"[36]

اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ پیر کرم شاہؒ نے بھی اس جدید علم سے استفادہ کرتے ہوئے تفسیر قرآن میں اس سے استشہاد کیا ہے۔

6۔تدبر قرآن میں قدیم اقوام کی تاریخ پر آرکیالوجی سے استفادہ:

مولانا امین احسن اصلاحی نے بھی تفسیر تدبر قرآن میں آرکیالوجی سے استشہادات کی ہیں، آپ نے سابقہ اقوام کی تاریخ جو آثار کی صورت میں موجود ہے، اس کو تفسیر قرآن میں، استفادہ کیلئے ضروری قرار دیتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:"اسی طرح قوموں کی ثابت شدہ تاریخ سے بھی ہمیں تفسیر قرآن میں مدد لینی چاہیے قرآن نے متعدد پہلوؤں سے قوموں کی تاریخ کی طرف اشارے کیے ہیں۔ کہیں عرب کی پچھلی قوموں، عاد و ثمود مدین اور قوم لوط وغیرہ کی تباہی کا ذکر کیا گیا ہے، کہیں یہود و نصاریٰ کے اہم واقعات کی طرف اشارے کیے ہیں، کہیں زمانہ نزول کی بعض معاصر قوموں اور ان کے بعض اہم حالات کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔ اس طرح سے بے شمار تاریخی چیزیں ہمیں جو کسی نہ کسی نوعیت سے قرآن میں زیر بحث آگئی ہیں۔ ان سارے اشارات کو وضاحت کے ساتھ سمجھنے کیلئے ان قوموں کی تاریخ اور ان کے حالات سے فی الجملہ واقف ہونا ضروری ہے۔ ورنہ وہ مقاصد اچھی طرح دل نشین نہیں ہوسکتے۔ ان تمام تاریخ معلومات کیلئے اس پہلو سے تو ہم ضرورت مند ہیں کہ ان سے قرآن مجید کے بعض اجمالات کی شرح ہو گی"[37]

ان کی معاشرت کے احوال پر تحقیق کیلئے ان کی عمارات، آلات اور ظروف و احوال پر اس طرح غور و فکر کر کے نتائج کا استنباط کرنا چاہیے کہ ان کی پوری معاشرت کی تصویر آنکھوں کے سامنے آجائے اور پھر ان کی تباہی (گرفت الہیٰ) کے اخلاقی وروحانی اسباب بھی تلاش کریں اور ہماری اس تحقیق و تفحص کے نتائج اور قرآن کے جامع تبصروں میں حیرت انگیز مماثلت نظر آئے گی اور ان آثار میں تفکر کے نتائج

سامنے آنے پر گردنیں اپنے خالق کے حضور جھک جائیں گی اور ان "روحانی انحرافات" سے بھی انسانیت بچ سکے گی اور مقصد زندگی کا شعور اسے میسر آئے گا جس کے سبب حیات انسانی متوازن ہو کر دنیاوآخرت میں کامیاب ہو جائے گی۔

سفارشات:

ضرورت ہے کہ قرآنی اصطلاحات وترغیبات (سیروا۔ فانظروا) کے سبب مزید آثار باقیہ اور مدفون تہذیبوں کا پتہ لگایا جائے اور "ارض قرآن" کی اس حوالے سے تحقیق کی جائے جو آج آرکیالوجی کے سبب ہی ممکن ہے اور پھر ان اثریاتی شواہد (Archeaological Evidences) سے اخذ کردہ نتائج کو مرتب صورت میں انسانیت کے سامنے رکھا جائے۔ اس سے صداقت قرآنی کو آرکیالوجی کی ایک تائید میسر آجاتی ہے اور عبرت وموعظت کے ان نمونوں کی بدولت، انسان ہدایت کی جانب متوجہ ہو سکتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ علم الاثار اب فہم قرآنی میں ایک "معاون علم" کا درجہ اختیار کر گیا ہے۔ آرکیالوجی کی بنیاد پر تحقیقات، ریسرچ کا ایک معروف طریقہ ہے، جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے، جس طرح آرکیالوجی کی بنیاد پر مستشرقین تحقیقات کر رہے، اس طرح آرکیالوجی ہی کی بنیاد پر اس کا تنقیدی مطالعہ کرنا چاہئے۔

قدیم تفاسیر میں ایک ایک تفسیر پر ایم اے یا ایم فل کی سطح پر یہ تحقیق کرنی چاہئے کہ اس میں آرکیالوجی سے کس قدر استفادہ کیا ہے، آرکیالوجی کے استدلالات میں اس مفسر کا منہج کیا ہے؟ مثلاً تفسیر طبری میں آرکیالوجی سے استدلالات کا تحقیقی مطالعہ، تفسیر روح المعانی میں قدیم اقوام کے آثارِ قدیمہ سے استشہادات کا خصوصی مطالعہ وغیرہ، اس نہج میں کسی بھی تفسیر پر کام کیا جاسکتا ہے۔

جدید تفاسیر پر بھی تحقیق کرنے کی ضرورت ہے کہ اس میں آرکیالوجی سے استفادے پر مبنی کتنے مواد موجود ہیں، اس کا تجزیہ کرنا اس وقت کی اہم ضرورت ہے، مثلاً تفسیر تفہیم القرآن میں آثارِ قدیمہ پر مبنی مواد واستدلالات کا علمی جائزہ، تفسیر ماجدی میں اقوام سابقہ کے آثار پر مبنی لٹریچر کا تحقیقی مطالعہ وغیرہ۔ اس نہج کے مطابق دیگر تفاسیر پر بھی کام ہو سکتا ہے۔

حوالہ جات

---

[1] الحجر : 74

[2] الحاقہ : 4-9

[3] ندوی، سید سلیمان، تاریخ ارض القرآن، مجلسِ نشریاتِ اسلام، کراچی، س،ن، ص12

[4] ایضاً، ص11

[5] ایضاً، ص12

[6] ایضاً، ص13

[7] ندوی، شہاب الدین، محمد مولانا، قرآن، سائنس اور مسلمان، مجلس نشریات اسلام، کراچی، س ن، ص3

[8] النحل : 44

[9] صحیح بخاری ،کتاب الصلوۃ ، باب الصلوۃ فی مواضع الخسف، ص433

[10] مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی، 2012ء، ج5، ص308

[11]طه : 128

[12]طبری، ابن جرير ، تفسير الطبري ، جامع البيان ، ت: أحمد محمد شاكر، مؤسسة الرسالة، ط: الأولى، 2000 م، ج18، ص397

[13]ابن كثير، أبو الفداء إسماعيل بن عمر، تفسير ابن كثير، مؤسسة الرسالة بيروت، ط : الأولى، 2000 م، ج3، ص442

[14]الاحقاف : 27

[15]ابن كثير، أبو الفداء إسماعيل بن عمر، تفسير ابن كثير، مؤسسة الرسالة ، بيروت، ط : الأولى، 2000 م، ج5، ص2021

[16]طه : 128

[17]الجصاص، امام ابوبكر، الجامع الاحكام القرآن ، دارلكتب بيروت، 2006ء، ج6، ص75

[18]النسفي ، عبدالله بن احمد ، تفسير مدارك التنزيل وحقائق التاويل ، لمطبعة الحسينيه مصريه 1332ھ، ج3، ص602

[19]القصص:57

[20]النسفي ، عبدالله بن احمد ، تفسير مدارك التنزيل وحقائق التاويل ، لمطبعة الحسينيه مصريه 1332ھ، ج3، ص471

[21]آزاد، مولانا ابوالکلام، ترجمان القرآن، اسلامی اکادمی، لاہور، س،ن، ج2، ص464

[22]ایضا

[23]ندوی، سید سلیمان، تاریخ ارض القرآن، مجلسِ نشریاتِ اسلام، کراچی، س،ن، ص13

[24]ایضا

[25]سیوہاروی، مولانا محمد حفظ الرحمٰن، قصص القرآن، دارالاشاعت کراچی، 2017ء، ج3، ص165

[26]ایضا

[27]یونس10 : 92

[28]سیوہاروی، مولانا محمد حفظ الرحمٰن، قصص القرآن، دارالاشاعت کراچی، 2017ء، ج1، ص240

[29]ایضا، ص333

[30]آزاد، مولانا ابوالکلام، ترجمان القرآن، اسلامی اکادمی، لاہور، س،ن، ج1، ص239-238

[31]مودودی، سید ابولاعلیٰ، سفر نامہ ارض القرآن، رودادِ سفر، مرتبہ محمد عاصم الحداد، الفیصل ناشران، لاہور، س ن، ص184۔187

[32]سبا : 10

[33]مودودی، مولانا ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، 2017ء، ج3، ص175

[34]ایضا۔ ص176

[35]طہٰ : 188

[36]الازھری، پیر کرم شاہ، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن فاؤنڈیشن، ج3، ص144

[37]تدبر قرآن، مولانا امین احسن اصلاحی، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، 1988، ص220